URDU

DI (H) Paper I

Dr Md. Menauwar. Alam
Dept of urdu
R. N. college, Pandaul

Topic:- Meer ki GHAZAL

28/4/2020

میر کی غزل

؎ فقیرانہ آئے صدا کر چلے
میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے

پیش نظر شعر میر تقی میر کی مشہور غزل کا مقطع ہے۔ اس میں میر انسان سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ جب ہم دنیا میں آئے تھے تو کیا لے کر آئے تھے کچھ بھی تو نہیں۔ جس طرح کوئی فقیر خالی ہاتھ آتا ہے اور صدا لگا کر چلا جاتا ہے۔ اس شعر سے لوگوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں میر کہ انسان کی زندگی میں کچھ نہیں ہے خالی ہاتھ آتا ہے اور خالی ہاتھ جاتا ہے۔ اس لئے اپنی زندگی میں نیک عمل کرو جو کہ آخرت میں کام آتا ہے۔

؎ جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
سو اس عہد کو اب وفا کر چلے

مذکورہ شعر میر کی غزل کا ہے۔ اس شعر میں میر محبوب سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ ہم نے یہ وعدہ کیا تھا کہ ہم تمہارے بنا نہیں جی سکتے۔ کیونکہ عاشق کو معشوق کے بغیر زندگی محال لگتی ہے۔ آج تمہاری جدائی میں ہم یہاں سے جا رہے ہیں۔ گویا ہم نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ چونکہ میر کی زندگی میں محبوب کا غم۔ سوز و الم دکھائی دیتا ہے۔ اس لئے میر کی شاعری اس کی زندگی کی ترجمان نظر آتی ہے۔

؎ شفا اپنی تقدیر ہی میں نہ تھی
کہ مقدور تک تو دوا کر چلے

یہ شعر میر کی غزل سے ماخوذ ہے۔ میر اس شعر میں کہتے ہیں کہ مجھے جو مرض عشق لاحق ہے وہ اب ٹھیک ہونے والا نہیں ہے۔ کیونکہ لگتا ہے کہ تقدیر میں سدا کے لئے میرے حصے میں رنج و غم لکھا ہے یہ ٹھیک ہونے والا نہیں ہے۔ اس سے نجات نہیں مل سکتی۔ کیونکہ جو دوا علاج کرنا تھا وہ کر چکے لیکن میرا غم دور نہیں ہونے والا ہے۔

؎ بہت آرزو تھی گلی کی تری
سو یاں سے لہو میں نہا کر چلے

میر اس شعر میں کہتے ہیں کہ مجھے محبوب کی گلیاں ہی سب سے عزیز تھیں اور میں کوچۂ محبوب میں اس لئے جاتا تھا کہ محبوب کی ایک جھلک دیکھ لوں تاکہ میرے بے قرار دل کو قرار آ جائے

Scanned with CamScanner

لیکن افسوس ہے کہ محبوب کا دیدار تو نہ ہو سکا بدلے میں رسوائیاں ہاتھ آئیں۔ ہم اس بے عزتی اور رسوائی سے یوں محسوس کر رہے ہیں جیسے کہ اپنے ہی لہو میں نہائے ہوئے ہیں اس سے مراد میر کی محرومی اور ناکامیٔ عشق کا پتہ چلتا ہے۔

س

جبیں سجدہ کرتے ہی کرتے گئی
حقِ بندگی ہم ادا کر چلے

یہ شعر میر کی غزل کا بہت مشہور شعر ہے۔ اس میں میر کہتے ہیں کہ ہم نے شب و روز مالک کے حضور سجدے کیے اور اتنے سجدے کیے کہ یہ گمان ہونے لگا کہ ہم بندگی کا حق ادا کر چلے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حقِ بندگی انسان سے ادا ہو ہی نہیں سکتا۔ خواہ وہ کتنی ہی عبادت کر چلے۔ وہ تو اس کا کرم ہوگا جو ہماری عبادتیں قبول ہو جائے ورنہ بندگی کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔

س

پرستش کی یاں تک کہ اے بت تجھے
نظر میں سبھوں کی خدا کر چلے

میر کا یہ شعر مشہورِ زمانہ شعر ہے۔ اس میں میر اپنے محبوب سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ ہم نے تجھے اس قدر چاہا اور تیرے عشق میں ایسے مبتلا ہوئے کہ تمہارا ہر ناز و ادا اٹھایا یہاں تک کہ دنیا کی نظر میں تم کو خدا کر دیا۔ میر کا یہی انداز دیگر شعراء سے میر کو ممتاز کرتا ہے۔

س

کہیں کیا جو پوچھے کوئی ہم سے میر
جہاں میں تم آئے تھے کیا کر چلے

یہ میر کی اس غزل کا مقطع ہے اس میں میر افسوس ظاہر کرتے ہیں کہ ہم دنیا میں جس مقصد کے لئے بھیجے گئے تھے اس کو فراموش کر دیا۔ اور زندگی یوں ہی بے کار کاموں میں گنوا دی۔ میر کو احساس ہو رہا ہے کہ ہم کو دنیا میں جس مقصد سے بھیجا گیا تھا وہ ہم نہ کر سکے۔ وہ مقصدِ زندگی اللہ کی عبادت ہے۔ انسان اسی اہم مقصد کو بھلا بیٹھا ہے۔ اسی طرف میر کا اشارہ ہے۔

میر کی غزل

س۔ عمر بھر ہم رہے شرابی سے
دل پر خوں کی اک گلابی سے

پیش نظر شعر میر تقی میر کی غزل کا مطلع ہے۔ اس شعر میں میر کا رنگ تغزل جھلکتا ہے۔ میر کہتے ہیں کہ عشق کی جو لذت ہے اس سے میری کیفیت ایسی ہوتی ہے جیسے کسی شرابی کی حالت ہوتی ہے۔ میر اعتراف کرتے ہیں کہ جذبۂ عشق سے یوں سرشار ہیں کہ جیسے کوئی شراب کے نشے میں مست و بےخود ہو جاتا ہے۔

س۔ جی ڈہا جائے ہے سحر سے آہ
رات گزرے گی کس خرابی سے

مذکورہ شعر میں میر محبوب کے فراق میں اس قدر غم زدہ ہے کہ کہتے ہیں صبح سے ہی محبوب کی جدائی ستا رہی ہے۔ دل غم میں مبتلا ہے۔ تو رات کا عالم کیا ہوگا۔ اکثر کسی کی جدائی رات کی تنہائی میں زیادہ ستاتی ہے۔ رات کا اندھیرا کسی کی فرقت کا غم بڑھا دیتا ہے۔ میر کہتے ہیں کہ صبح سے جب تمہاری جدائی کا یہ عالم ہے تو جدائی کی رات کیسے گزرے گی۔

س۔ کھلنا کم کم کلی نے سیکھا ہے
اس کی آنکھوں کی نیم خوابی سے

اس شعر میں میر تقی میر نے محبوب کی آنکھوں کی خوبصورتی کو بڑے حسین انداز میں بیان کیا ہے۔ میر کہتے ہیں کہ اے میرے محبوب یہ تمہاری جھکی جھکی آنکھیں۔ ایسا لگتا ہے نیند سے بوجھل ہیں۔ بالکل اسی طرح لگتی ہے جیسے کلیاں آدھی کھلی ہوئی ہوں۔ گویا میر اپنے محبوب سے کہتے ہیں کہ کلیوں نے یہ آدھا کھلنا تمہاری ادھ کھلی آنکھوں سے سیکھا ہے۔

س۔ برقع اٹھتے ہی چاند سا نکلا
داغ ہوں اس کی بے حجابی سے

یہ شعر میر تقی میر کی غزل سے اخذ کیا گیا ہے۔ اس میں میر نے اپنے محبوب کے حسن بے حجاب سے پیدا ہونے کی کیفیت بیان کی ہے۔ میر کہتے ہیں کہ میں تمنائی تھا تجھے دیکھنے کا۔ لیکن جب تو نے رخ سے پردہ اٹھایا اور یوں گمان ہوا

Scanned with CamScanner

جیسے کوئی چاند بادل سے باہر آگیا ہو ۔ اور تمہیں دیکھنے کے بعد میرے دل کی بے چینی اور زیادہ بڑھ گئی ۔ اپنے محبوب کے حسن کا تاب نہ لاتے ہوئے میر نے اور مضطرب ہو جاتے ہیں ۔

کام تھے عشق میں بہت پر میر
ہم ہی فارغ ہوئے شتابی سے

مذکورہ بالا شعر میر کی غزل کا مقطع ہے ۔ اس میں میر کہتے ہیں کہ جذبۂ عشق دل میں پالنا آسان نہیں ہوتا ہے ۔ عشق میں محبوب کے ناز و ادا اٹھانے پڑتے ہیں ۔ ہر قدم پر عشق میں امتحان ہوتا ہے ۔ مگر ہر عاشق محبوب تک رسائی میں جلد بازی کر جاتا ہے ۔ اسی کو میر نے کہا ہے کہ عشق میں بہت نشیب و فراز سے گزرنا تھا مگر ہم ہی عجلت پسندی کا شکار ہو بیٹھے ۔

Scanned with CamScanner